ڈاکٹر نازیہ پروین
اسسٹنٹ پروفیسر
یونی ورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور، فیصل آباد کیمپس

اکیسویں صدی کے اردو ناول میں نفسیاتی بیانیہ

Abstract:

Sigmund Freud and Jung have immensely influenced the creative literature. With reference to time and space, creation reflects two parallel attitudes: conscious and collective consciousness, and secondly unconscious and subconscious. At associational level, unconscious and subconscious generate attitudinal complexes. Dreams are archetypal. Jagay hein Khawab Mein, Cheeni jo Meethi na Thee, Tilk-al-Ayyaam, Hajoor Aaama, Jandar, and Habs seem to grapple with psychoanalytical narratives of Jung and Freud.

Keywords: Freud, Jung, Urdu novel, psychoanalysis

نفسیات اور ادب ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے کا آئینہ بھی ۔ نفسیات، شعور، تحت الشعور، لاشعور اور اجتماعی شعور سے بحث کرتی ہے۔ تخلیق کی شکل میں ادب ہمیشہ نفسیات کے انھی عناصر سے زیر بار ہوتا ہے۔ تخلیق اپنے ماحول سے مجموعی طور پر نفسیاتی سطح پر کس قدر متاثر ہوتی ہے۔ واقعات، مشاہدات اور مفروضات کس سطح پر تخلیق کار کے تخیل کو مہمیز کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے نفسیاتی وجدان کے تحت قوتِ متخیلہ کی توانائیاں صرف کرتے ہوئے تخلیق کے کرب سے گزرتا ہے تو نفسیاتی سطح پر دو متوازی رویے سامنے آتے ہیں۔ ایک شعور اور اجتماعی شعور کی روش اور دوسرا تحت الشعور اور لاشعور کے تلازمے رویہ جاتی الجھنوں کو جنم دیتے ہیں۔

سگمنڈ فرائیڈ اور ژونگ کی علمی تحقیقات تخلیقی ادب کے تناظر میں ہمیشہ زیر بحث رہی ہیں۔ فرائیڈ کا ماننا ہے کہ غیر تکمیل شدہ خواہشات سے سیکس کی اشتہا بڑھتی ہے جس کی وجہ سے جنسی الجھنیں، نفسیاتی کج روی، ہوس

پرستی اور لذت پرستی جیسے رویے سامنے آتے ہیں۔ ژونگ فرائیڈ سے اختلاف کرتے ہوئے شعور، لاشعور اور تحت الشعور کو انفرادی سطح سے اجتماعی سطح پر زیرِ بحث لایا ہے۔ یہ حالتیں Hallucination کی شکل میں بھی ہوتی ہیں۔ یعنی دن کے وقت خوابیدہ حالت یا رات کو آنے والے خواب کی شکل بھی ہو سکتی ہے۔ یہ خواب کسی فرد کے لاشعور میں چھپی ہوئی خواہش نہیں ہے بلکہ پوری قوم یا پوری انسانیت کے اجتماعی لاشعور کا حصہ ہوتے ہیں۔ یہ آرکی ٹائپ ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے آباؤاجداد کے لاشعور کا بھی دخل ہوتا ہے۔ خواب میں ابھرنے والے مناظر علامات اور نشانات کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جاگے ہیں خواب میں، چینی جو میٹھی نہ تھی، تِلکُ الایّام، بجور آما، جندر اور حَبس یہ ناول ژونگ کے افکار کے تحت نفسیاتی بیانیے کی مروّجہ شکلوں سے بحث کرتے ہیں۔ ان ناولوں میں کئی مشترک زاویے بھی ہیں اور کئی سطوں پر ایک دوسرے سے اختلافی اور پہلو انفرادی مقام بھی رکھتے ہیں۔ ان ناولوں میں بیان کیا گیا ہے کہ استعماری رویہ خواہ طاقت کی شکل میں ہو، سوچ کی سطح پر ہو، زبان کی سطح پر، تہذیبی و ثقافتی سطح پر، شخصی آزادی اور غلامی کی سطح پر یہ استعمار کے عملی استحصالی رویے ہیں جن کے باعث انسانی نفسیات شعوری، لاشعوری سطح پر متاثر ہوتی ہے اور اگلی نسلوں کے شعور اور لاشعور کو بھی متاثر کرتی ہے۔ خواہ ان نسلوں میں وقت کا تفاوت صدیوں پر محیط کیوں نہ ہو۔ ان ناولوں کے کرداروں کے نفسیاتی بیانیے میں ژونگ کے نظریات کا گہرا رنگ نمایاں ہے۔ جاگے ہیں خواب میں مرکزی کردار ''زمان'' ایک ہی خواب بار بار معمولی ردّ و بدل کے ساتھ دیکھتا ہے۔ پہلے پہل مناظر اس کے تخیل پر واضح شبیہ نہیں بناتے ہیں مگر جب وہ اپنے آبائی علاقے میں جاتا ہے۔ تو اسے اپنے خواب کا ابہام اور غیر ماورائی واقعات کا ربط اور ردّ و بدل واضح ہوتا ہے۔ کائنات کا سب سے بڑا معمہ اور پُراسرار تخلیق انسانی دماغ ہے۔ خواب بھی انسانی دماغ کی اسی پُراسراریت سے وابستہ ہوتا ہے۔ ژونگ کے مطابق ہر خواب مخصوص معروض رکھتا ہے، اور خواب کی تعبیر میں یہ معروض کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ ناول میں اسی معروض کی کلیدی پُراسراریت کو نفسیاتی بیانیے کی مدد سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ زمان کو آنے والے خواب کا تعلق اس کے آباؤاجداد کے لاشعور سے جڑا ہے۔ جو اس کے نکڑ دادا سے ہوتے ہوئے کئی ہزار سال پہلے اشوک کے زمانے سے جڑا ہوا تعلق دکھایا ہے۔

خالد محمود سامٹیہ اپنی کتاب خواب، اجتماعی لاشعور اور اختر رضا سلیمی کے ناول جاگے ہیں خواب میں کے کردار زمان کو دروں بیں شخصیت قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے وضاحت سے اس کردار کے معروض بیان کیے ہیں۔ ژونگ کے مطابق دروں بیں رومانی فطرت کا مالک ہوتا ہے، تخیل اور وجدان کی کش مکش میں گم

خود کلامی اور خیالی پلاؤ اس کے نمایاں اوصاف ہیں۔ اسے زندگی گزارنے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سہارا ہی معروض ہوتا ہے۔

''ایسا شخص جس سے وابستہ ہوتا ہے، اس سے شدید جذباتی اور ذہنی وابستگی رکھتا ہے۔ وہ عام سطح پر تعلقات نہیں رکھ سکتا۔ زمان کی شخصیت میں بھی ایسے ہی خصائص ہیں۔''(۱)

اسی نفسیاتی تلازموں میں سجا ہوا اس ناول کا بیانیہ اپنے اندر گہرے مفاہیم رکھتا ہے۔ لاشعور کی جست کو تھیوری آف لائٹ $E=mc^2$ کی تکنیک میں زمان کے خوابوں کا سلسلہ سامنے آتا ہے۔ اسی نظریے کی بنیاد پر انسانی شعور کی ہمہ جہتی، کارکردگی اور پیچیدگی کو بیانیے میں پیش کیا گیا ہے۔

''وہ دیکھتا ہے کہ اس کا وجود ایک، دوابعادی روشن سایہ ہے جو ٹھوس سے ٹھوس چیز سے بھی گزر سکتا ہے جب کہ اس کی نظر چار العادی ہو گئی اور ازل سے ابد تک کا ہر منظر اس پر آئینہ ہو گیا ہے۔''(۲)

نفسیاتی شعور کے افکار اس ناول کے بیانیے کا بنیادی عنصر ہیں۔ Hallucination کے تحت ۲۰۰۵ء کے زلزلے کی تباہ و بربادی میں زمان بھی متاثر ہو کر کومے میں چلا جاتا ہے۔ اس کے شعور اور لاشعور میں حائل پردہ ہٹ جاتا ہے اور ایک ربط پیدا ہونے سے وہ ہزاروں سال قدیم اشوک کے زمانے کے فرمودات پڑھ سکتا ہے۔ نفسیاتی بحثوں کے ساتھ ساتھ جینیاتی سائنس کی کارگردگی بھی بیان کی گئی ہے کہ کیسے جینز میں دبی خواہشات نسل در نسل ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی کے زیرِ اثر بیانیے میں نسل در نسل پیش آنے والے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ واہمے کی قوت میں اعصاب کو تسخیر کرنے کے لیے نظر کے سفر کو روشنی کے سفر کے مماثل پیش کیا گیا ہے۔ خواہش اور خواب کے تابع سائنسی ترقی اور عقلی و روحانی وجدان کے تلازمے ملانے کی کوشش کی ہے۔ علت و معلول کے عمل میں شعور کی جنگ لاشعوری سطح پر جسم اور روح کے تنازعے کو پیش کرتی ہے۔ سولومن سنائیڈر نے انسانی دماغ کو معمہ قرار دیا ہے جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہے۔ موت کی نفسیات کو بلیک ہول کے مانند قرار دیا ہے۔ جوہر شے کو اسی طرف کشش رکھتا ہے۔ زندگی کے گرد موت کا غلاف ایک کیپسول کی طرح جو زمانے کی حدتوں میں آہستہ آہستہ تحلیل ہو کر بلیک ہول کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس ناول کے نفسیاتی بیانیے میں نظریہ آواگون کے زیرِ اثر ثنویت کے آثار بھی نظر آتے ہیں۔ ظفر خان کی موت کے ساتھ زمان کا پیدا ہونا، مشابہت رکھنا اور زمان کی موت کے ساتھ وہی حرکات و سکنات اس کے بیٹے میں ظاہر ہونا اس نظریے کے ابعادی پہلو ہیں۔

شبیر احمد کا ناول ہجور آما کے بیانیے میں بھی ژونگ کے نظریہ لاشعور اور اجتماعی شعور کے نفسیاتی افکار نظر آتے ہیں۔ اس ناول میں ژونگ کے اس فکر کی وضاحت ملتی ہے کہ آباؤاجداد کا لاشعور آنے والی نسلوں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ ناول کے کردار دیب لینا، سندھیا اور قبیلے کی مختلف عورتیں ایک ہی خواب دیکھتی ہیں۔ جس میں چار دانتوں والے سفید ہاتھی ہیں، سفید اُجالے اور دودھیا روشنی میں ہیرے جواہرات کی چمک جس کی روشنی آسمان کی طرف جاتی ہے۔ ان خوابوں کے تسلسل سے ژونگ کی تھیوری کی تصدیق ہوتی ہے کہ خواب انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف سفر کرتے ہیں۔ یعنی خواب ایک فرد بھی دیکھ سکتا ہے، اور اجتماعی سطح پر آرکی ٹائپ یعنی لاشعوری طور پر آباؤاجداد کے لاشعور سے بھی تعلق ہو سکتا ہے۔ ناول میں خواب کی ہیئت و نوعیت پر نفسیات اور جین مت مذہب کی کئی بحثیں ملتیں ہیں۔ جو تاریخی حوالوں سے خواب کی ہسٹری بیان کرتی نظر آتی ہیں۔ ایک مثال درج ذیل ہے:

> ''جین مت کے انوسار سمے کا چکر گھومتا رہتا ہے۔ اس کا نہ تو کوئی پرارستھ ہے اور نہ کوئی انت۔ ہر چکر میں ترسیٹھ ایسے مہاپُروش جنم لیتے ہیں۔ جن سے ایک یگ کا فرماں ہوتا ہے۔ اس میں چوبیس تری تھنیکر، بارہ چکرواتی، نو بال بھدر نو نارائن اور نو پراتی نارائن ہوتے ہیں۔ تری تھنیکر بھگوان کے اوتار ہوتے ہیں۔ چکرورتی، وشو سمراٹ، بال بھدر، دھرم رکشک، نارائن مہایودھا اور پراتی نارائن برودھی مہار دھا۔''(۳)

جین مت کا عقیدہ ہے جب دُنیا میں ظلم کی انتہا ہوتی ہے تو بھگوان اشاروں کنایوں میں خواب میں پران دیتے ہیں۔ جب بھی لوگ راہ سے بھٹکیں گے۔ ان کی راہ نمائی کے لیے کوئی نہ کوئی اوتار یا مددگار آتا رہے گا۔ رام، کرشن، گوتم، مہابیر، درگا کالی، لکشمی، سرسوتی اور دیویاں ان کی مثالیں ہیں۔ ناول نگار نے کہانی کا ڈھانچہ مکمل طور پر انسانی نفسیات پر رکھا ہے۔ بھاد سمودائے قبیلہ جن کا عقیدہ تھا کہ انھیں شیو جی کا شراپ (بددُعا) ہے کہ وہ ہمیشہ لوگوں کے لیے گانے بجانے اور منور نجن (دل بہلانے، یہاں استعاراتی سطح پر جسم فروشی کی طرف اشارہ ہے) کرتے رہیں تھے۔ اس قبیلے کے مرد عیاش پرست اور ہڈ حرام بن چکے تھے۔ آمر پالی ہندوستان کی مشہور طوائف اِسی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ دیب لینا نے بھی وہی نفسیاتی حربہ استعمال کیا۔ اس نے قبیلے والوں کو بتایا کہ شیو جی نے اپنا شراپ (بددعا) یا سزا معاف کر دی ہے۔ اب تم آزاد ہو اور محنت کر کے اپنے لیے بہتر باعزت روزگار اپنا سکتے ہو۔ اس مقصد کے لیے کردار دیب لینا کی طویل جدوجہد کو ناول کے بیانیے میں پیش کیا ہے۔ وہ ہر معاملے میں

نفسیاتی حربے کو استعمال کرتی ہے، اور کئی این جی اوز کا مکروہ چہرہ بے نقاب کرتی ہے جو رفاہِ عامہ کی آڑ میں دلالی اور جسم فروشی کے کاروبار میں ملوث ہوتے ہیں۔ ناول نگار نے اس پچھڑے طبقے کی نفسیات سے کھل کر بحث کی ہے۔ آدرشی کردار دیب لینا کو مزاحمتی اور مثبت تعمیر کار کے طور پر تخلیق کیا گیا ہے۔ وہ اپنے قبیلے کے حقوق اور بہتری کے لیے عمر بھر جرأت مند طریقے سے لڑتی ہے اور بنیادی سہولیات کے ساتھ ساتھ الیکشن میں نمائندگی کے حق کے لیے حکومت سے اقلیتی انتخاب کا حق حاصل کرتی ہے۔ ناول نگار نے پچھڑی نسل دلت اور بنگالیوں کی نفسیات پر گہرا مشاہداتی بیانیہ پیش کیا ہے۔ ناول نگار نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر استعمار اور محکومیت سے چھٹکارہ پالیا جائے تو لاشعوری طور پر شعور فتح یاب ہوتا ہے، اور آسودگی اس ذہنی جنگ کا علاج ثابت ہوتی ہے۔

ہجور آما کی طرف سے حقوق کی پاس داری کے بعد عورتوں کو خواب آنے کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ آسودگی اور خوشی نے ذہنی یاسیت کو ختم کر دیا۔ اسی تلازمۂ خیال کی تصدیق کے لیے ناول کی کہانی میں شواہد پیش کیے گئے ہیں۔

چینی جو میٹھی نہ تھی میں بھی نفسیاتی بیانیے کی گونج سنائی دیتی ہے۔ صفدر زیدی نے نفسیاتی طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بعض خوابوں کا تعلق آباؤاجداد پر ہونے والے ظلم و ستم سے بھی منسلک کیا جا سکتا ہے۔ ۱۸۶۷ء کے بعد ہالینڈ میں ''سری نام'' کی سرزمین پر ہندوستانی کسان اپنے بہتر مستقبل اور غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر انگریزوں کی حکومتی پالیسی کے تحت دیار غیر میں جانے کے لیے تیار ہوئے تھے۔ وہاں پر ان ہندوستانیوں کو جانوروں سے بدتر زندگی گزارنی پڑی۔ معمولی سی کوتاہی پر انھیں کوڑے مارے جاتے۔ ان ہندوستانی کسانوں میں راج اور لکشمی دونوں میاں بیوی تھے۔ راج نے جب ہندوستانی کسانوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف احتجاجی آواز بلند کی تو کوڑے مارنے کے بعد راج اور اس کی بیوی کو گولی مار دی گئی۔ ان کی نسل میں سے پیدا ہونے والا بچہ جس کا نام بھی راج ہی ہے بڑا ہو کر اقتصادی پروگرام کے تحت منسٹری کا ہونہار آفسر بنتا ہے۔ مگر راج خواب میں دیکھتا ہے کہ کوئی اس کی پیٹھ پر کوڑے برسا رہا ہے۔ وہ بڑی شدت سے اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے وہ جب بھی یہ خواب دیکھتا ہے، تو ایسی ہی اذیت محسوس کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اعصابی طور پر ذہنی کش مکش کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس نفسیاتی بیانیے میں وہ ہندوستانی سفیر کی بگھی کے کوچوان کے ہاتھ میں چابک دیکھ کر اس پر حملہ کر دیتا ہے۔ یوں وہ مینٹل ہسپتال علاج کے لیے رکھا جاتا ہے۔ بظاہر ٹھیک ہو کر گھر واپس آجاتا ہے۔ مگر نفسیاتی طور پر ابنارملٹی کا شکار ہو کر لکشمی کو گھر سے نکال دیتا ہے۔ چند دنوں کے بعد ایک بار میں ڈانسر کی ایک پرفارمینس کے

دوران جب وہ ڈرامائی انداز میں چابک سے ایک غلام کو کوڑے مارتی ہے۔ یہ دیکھ کر راج اُس ڈانسر روپ پر بھی حملہ کرتا ہے۔

''روپ نے رقص کرتے ہوئے چابک لہرایا اور شٹ اپ کی تیز آواز کے ساتھ غلام کے ننگے کولہوں پر چابک برسانا شروع کر دیا۔ چابک کی شٹر اپ نے راج کے دماغ کو سُن کر دیا۔۔۔ اس نے اسٹیج پر چڑھ کر اس چابک برسانے والی پر حملہ کر دیا۔''(۴)

ناول میں ناول نگار نے نفسیاتی الجھنوں کو روحانی طریقے سے حل پیش کیا ہے۔ راج ایک ہی خواب کو مسلسل دیکھنے کی وجہ سے اس قدر نفسیاتی دباؤ محسوس کرتا ہے اور خودکشی کرنے کے لیے پل سے نہر میں کُود جاتا ہے۔ نہر میں کُودتے ہوئے راج کو ایک اجنبی شخص دیکھ رہا ہوتا ہے۔ وہ راج کی جان بچا کر اپنے گھر لے آتا ہے۔ راج کو ہوش آنے کے بعد وہ سمجھاتا ہے کہ بعض نفسیاتی اُلجھنوں کا تعلق ہماری رُوح کی بیماری سے ہوتا ہے، جس طرح جسم کو علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح روح کو بھی علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ مادیت پرستی نے انسان پر ہوس کی ایسی چادر تان دی ہے جس میں روح دب کر رہ گئی ہے۔

دھرپد راگ کی الاپ ایسی کہ سننے والے پر ایک وجد طاری ہو جائے اس راگ کی آواز سن کر راج نروان حاصل کرتا ہے، اور وہ خواب کی حالت میں اپنے آباؤاجداد پر ہونے والے ظلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے:

''رقص کے دوران جب میزبان نے راج کے سر پر ہاتھ رکھا تو اسے محسوس ہوا جیسے اِس کے جسم سے کوئی وجود باہر نکل رہا ہو۔ اُس کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا، وہ گھوم رہا تھا یا پرواز کر رہا تھا۔''(۵)

راج کو جب دوبارہ ہوش آتا ہے تو اُسے یاد آتا ہے کہ وہ برسوں پہلے کے زمانے میں چلا گیا تھا، اور اب روحانی علاج کے ذریعے اپنی دُنیا میں واپس آکر خود کو تازہ دم محسوس کر رہا ہے۔ اس ناول کے بیانیے میں انفرادی طور پر لاشعوری تاثر کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تِلکّ الایام میں نورالحسنین نے اپنے ناول کی ابتدا ہی Hallucination کی حالت سے کی ہے۔ ناول کا کردار عمر کی مختلف حالتوں میں خود کو بدلتا محسوس کرتا ہے۔ کبھی وہ چھوٹا بچہ بن جاتا ہے اور کبھی آباؤاجداد کے جسموں میں پہنچ جاتا ہے، اور کبھی خود ان کی محافل میں شامل ہوتا ہے۔ مٹیامار فیس کے تکنیکی انداز سے کردار حسین کی نفسیاتی سطح کو ناول کے بیانیے میں شامل کیا گیا ہے۔ حسین کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کے چاروں طرف پر نور

دودھیا روشنی کا ہالہ ہے جو اسے لے کر ہواؤں میں اڑ رہا ہے۔ اُسے لگا کہ اس کی موت واقع ہو گئی ہے اور موت کا پیامبر اُس تک پہنچ چکا ہے۔

''یہ ضرور ملک الموت ہے۔۔۔اور میرا آخری وقت آگیا ہے۔۔۔اور دوسرے ہی لمحے میرا وجود ہلکا پھلکا ہو چکا تھا اور ہم کھڑکی کے راستے باہر نکل گئے۔ میں نے جھک کر زمین پر دیکھا مجھے اپنے پیروں کے نیچے روشنی دکھائی دی۔۔۔اُف۔۔۔ساری ذمہ داریاں ادھوری رہ گئیں۔''(۶)

نفسیاتی طور پر وہ شعور اور لاشعور کی کشمکش میں الجھا ہوا ہے۔ یہ حسین کا واہمہ ہی تھا۔ جسے اُس نے خواب کی شکل میں دیکھا کہ وہ صحراؤں کو عبور کرتا ہوا جنبی سرزمین پر اجنبی لوگوں کی محفل میں پہنچ جاتا ہے۔ جن کی زبان عربی ہے اور ورد کی محفل سجائے ہوئے ہیں۔

مصنف نے ناول میں ''مقدمہ ابنِ خلدون'' کے متن کا حوالہ دیا ہے۔ اس کتاب میں بھی نفسیاتی تفاہیم میں خواب کی حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے کہ نفس ناطقہ روحانی حالت میں کسی بھی وقت کسی واقعہ کی تصویر کا مطالعہ کر لیتا ہے۔ ناول نگار نے روحانیت کے لیے نفسیاتی بیانیے کی مدد سے ایسی توجیح پیش کی ہے۔ کہ انسانی عقل وجدان کے مقابل کم تر محسوس ہوتی ہے۔ ناول نگار کا ماننا ہے کہ نفسِ ناطقہ کو روحانیت کا کمال تب حاصل ہوتا ہے۔ جب وہ جسمانی مادوں اور حواس سے تعلق ختم کرتا ہے، یہ حالت سونے کے درمیان پیش آتی ہے۔ اس حالت میں وہ ماضی یا مستقبل کے چند واقعات سے باخبر ہو سکتا ہے۔

جسم دائروی حرکت کی مانند ہے۔ روح وہ قوت جو اِسے حرکت پہ اُکساتی ہے۔ اگر یہ اکسانے والی قوت یا جس قوت سے یہ جسم گھوم رہا ہے اگر یہ قوت رک جائے تو جسم دائرہ بے حرکت رہتا ہے۔ یہی جسم کا اور روح کا تعلق ہے۔ اسی طرح خواب اپنی حقیقت ضرور رکھتے ہیں۔ ناول کا کردار صدیوں میں رونما ہونے والے واقعات کو تسلسل کے ساتھ سے خود اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

کردار کی مختلف حالتوں میں تبدیل ہونا بھی اس کی وجدانی طاقت اور نفسیاتی تلازمے کے زیرِ اثر ہے:

''اچانک مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میرا قد چھوٹا ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے جونہی اپنا جائزہ لیا مجھے محسوس ہوا جیسے میں دس گیارہ برس کے بچے میں ڈھل گیا ہوں۔''(۷)

اس ناول کے نفسیاتی بیانیے میں گہرے مفاہیم چھپے ہوئے ہیں۔ ایک طرف تو وہ Tree of

Relationship کی بازیافت کرتا دکھائی دیکھتا ہے۔ دوسرا وہ ماضی قریب میں ہونے والے انقلاب اور ادبی تحاریک کی طاقت کو محسوس کر رہا ہے۔ حسین کی خواہش ہے کہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد پیدا ہونے والے خطرات جس میں دوسری جنگِ عظیم کی بازگشت سنائی دے رہی، اور دنیا بھر سے ترقی پسند ادیب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے شروع ہوئے تھے، اور انھوں نے اپنے فلم کے ذریعے اپنے عہد کے ڈسکورس کو اس طرح پیش کیا کہ آزادی کی تحریکوں میں شدت پیدا ہوتی چلی گئی یوں دُنیا کے نقشے میں آزاد ریاستوں کے وجود ابھرے۔ ناول نگار نے موجودہ ہندوستان میں فاشسٹ نظام کی پھیلائی ہوئی اجارہ داری اور اقلیتوں پر زندگی کی مفلوک الحالی پیش کی ہے اور خواہش کو ظاہر کیا ہے کہ اگر ایک ادیب اپنے کردار کو پہچانے اور قلمی جہاد شروع کرے۔ کہیں کہیں قدیم مثنویوں کے اسلوب کا رنگ بھی بیانیے میں نظر آتا ہے۔Law of order کے زمرے میں عدالتی کارروائی کے متعلق بھی خواب دکھائے گئے ہیں۔

مصنف نے ماورائے فکشن کے تحت حسین کو ادیب کے کردار میں پیش کیا ہے۔ اس کے لکھے ناولوں کے سارے کردار اس سے نالاں ہیں اور اپنی کمیوں کوتاہیوں کے متعلق مختلف شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں ایسا کیوں تخلیق کیا۔ مثالی کردار تخلیق کر کے مثالی دنیا آباد کیوں نہیں کی۔ دوہرے بیانیے کی مدد سے وقت اور محنت کے تال میل میں خاصی فلسفیانہ گفتگو ملتی ہے۔ جو اپنے وقت کو سمجھ لیتے ہیں وہ وقت کے شہنشاہ کہلاتے ہیں اور جو خود کو وقت کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وہ علیحدہ کر دی گئی چیز کی طرح ہمیشہ گل سڑ کر بدبودار ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ نفسیاتی بیانیے کی مدد سے تصوف کے سلسلوں کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے، اور نقش بندی سلسلے کے مطابق طریقت کی تاریخی حیثیت کو استناد فراہم کیا گیا ہے۔

ژرار زینٹ کے مطابق کہانی کی تین سطحوں کو فوکس کیا ہے۔ کہانی کا ڈسکورس سے ملاپ کی سطح پر فکری پہلوؤں کو بیانیے میں آشکار کیا ہے۔ اسی دوُرخی بیانیے کو ''میں'' بیان کنندے کی مدد سے حبس میں تخلیق کیا گیا ہے۔ ایک ایسا شخص ''کومے'' کی حالت میں نفسیاتی طور پر ذہنی کشمکش کا شکار ہے۔ یہ مریض ایریئل شیرون جو اسرائیل کا وزیرِ دفاع رہا اور پھر وزیرِ اعظم بنا۔ اب موت کی کشمکش میں اُس نے زندگی بھر اسرائیل کے استحکام اور فلسطین سے عربوں کو بے دخل کرنے اور دُنیا بھر سے یہودیوں کو اسرائیل لانے کے منصوبے پر عمل درآمد کروایا۔ وہ خود کلامی کے ذریعے دماغ کی لہروں کو تحریک دیتا ہے۔ صدیوں سے یہودیوں کی دربدری کے متعلق نفسیاتی توجیح پیش کرتا ہے:

''ہمارے لوگ موشے کے پیرو تھے۔ جس نے طیش میں آکر ایک مصری کو مار کر زمین میں گاڑ دیا تھا اور نتیجہ کیا نکلا۔ موشے کے پیرو صدیوں بے سینگوں کی بھیڑ بنے رہے اور جیسس کے پیرو انہیں ستانے والے بھیڑیئے بن گئے۔''(۸)

اس کا واہمہ اُسے سب کچھ دکھا رہا ہے جو ایک فلم کی ریل کی طرح سارے مناظر ایرئیل شیرون کے سامنے والی دیوار پر نظر آتے ہیں۔ اسرائیل کی طرف سے فلسطینیوں پر ہونے والی فوج کشی کو وہ طیطس رومی کی فوج کشی کے مماثل قرار دیتا ہے۔ جس نے ہیکل سلیمانی کو کھود کر پھینک دیا تھا اور اسرائیل نے یہ سب مغرب کی چشم پوشی سے کیا۔ گولیوں کی بوچھاڑ اس کے لیے موسیقی تھی اور ایٹم بموں کے دھماکے ڈھول کی تال کی مانند اسے پسند تھے۔ اس کے کردار سے ناول کے بیانیے کو اجتماعی لاشعور کے مضبوط تلازمے ملتے ہیں۔ لہجے اور آوازیں ہی کرداری صورت میں ابھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ شیرون سوچتا ہے کہ میں نے مسلمانوں کے خون کی سرخی کو لبنانی تعاون سے مزید سرخ کروایا خود کو تسلی دیتا ہے کہ تم اور تمہاری فوج پر کوئی الزام نہیں۔ تم نے صرف شعلے پھینکنے کا کام کیا ہے۔ ٹینک اور بم تو انہی کے ہاتھوں میں تھمائے اور لقمہ اجل بھی ان کے لوگ بنے۔ تم تو بے قصور ہو۔ لبنان والوں نے خود ہی فلسطنیوں کو نکال باہر کیا اور پناہ گزین کیمپس کو ٹینکوں نے تجربہ گاہ بنایا۔

"Like a big test tube containing the microbes named Palestinians for testing our antibiotic weapons."(9)

ایرئیل کے کردار کے ذریعے پورے ناول میں تہ دار نفسیاتی بیانیے کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ وہ سوچتا ہے۔ ایسے مشن اچھے جسم اور اچھی وِسکی سے تسخیر کیے جاتے ہیں۔ وزیر اعظم بننے کے بعد مغربی علاقوں کی فلسطینی آبادیوں کو ملیامیٹ کرنا، حماس کے لیڈروں کا قتل، مکانوں، ہسپتالوں میں، اسکولوں میں حملے۔ مسجدوں کی منہدمی اس کا من پسند مشغلہ رہا ہے۔ ڈاکٹر کے بقول میرے دماغ کی موت نہیں ہوئی۔ تو ہزاروں اموات کے نوحے کہاں سے میرے دماغ میں گھس رہے ہیں۔ میں نے تو دنیا کے نقشے سے فلسطین کا نام اکھاڑ پھینکا۔ ایرئیل کی ذہنی سطح پر پیدا شدہ کشمکش کے ذریعے نفسیاتی بیانیے میں مکالمات پیش کیے ہیں۔

''فلسطین نام کی کوئی جگہ کبھی نہیں تھی۔ نہ کبھی فلسطینی نام کی کوئی قوم تھی۔''(۱۰)

فلسطین کی مرگِ انبوہ کی بدبو میرے دماغ کو بدبودار بنا رہی ہے جس نے مجھے پینوٹک کر رکھا ہے۔ ایسی ہی نفسیاتی کش مکش ایرئیل کے دماغ میں ہمہ وقت چلتی رہتی ہے۔ جس کا اظہار یہ اس ناول کا بیانیہ ہے۔ ایرئیل کے

دماغ میں ہمہ وقت موازنیت کی فضا پیدا ہوتی ہے ایک طرف آوازیں اُسے باور کرواتی ہیں کہ تمہارے پیغمبر موسیٰ، داؤد اور سلیمان ان کے نام مسلمان بھی عزت سے لیتے ہیں جن کے خلاف تم نے محاذ جنگ کھول رکھا ہے۔ تم وہ مذہبی انسان نہیں ہو۔ تم سے بہتر تو وہ چرند پرند تھے جو داؤد کی بانسری کی آواز پر کھینچے چلے آتے تھے۔ یہ آوازیں ایرئیل کو ہمہ وقت گھیرے رکھتی ہیں اور یہ آوازیں بھی آپس میں مکالمہ کرتی ہیں وہ ایرئیل پر طنز کرتی ہیں کہ نازی فوج کا ظلم، چرچل، ہٹلر، ہلاکو خان، چنگیز خان کیا وہ مسلمان تھے وہ تو مسلمان پر ظلم و ستم روا رکھے ہوئے تھے۔ وہ سوچ کی لہروں کی مدد سے ان آوازوں کو باہر دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر پوری تاریخِ انسانی کی نمائندہ آوازیں اس کے دماغ کو آماج گاہ بنا چکی تھیں۔ ایک اسٹیج ڈرامے کی طرح ان کا رقص جاری تھا۔ ٹیبل ٹینس کی طرح یہ آوازیں ایک دوسرے پر اچھل کود رہی تھیں۔ یہ آوازیں آپس میں کھسر پھسر کرتی ہوئی ایرئیل کو بدترین اور فحش گالیوں سے نوازتی رہتی ہیں۔ ایرئیل سوچتا ہے ان آوازوں نے میرے جسم کی رگوں کو جوڑ کر مجھے روبوٹ بنا دیا ہے اور زبردستی سامنے کی دیوار پر کیا کیا دکھایا جا رہا ہے۔

> ''گھر ٹوٹ پھوٹ کر گر رہے ہیں۔۔۔ چھت اور دیواریں بلڈوزرس کے نیچے پستی جا رہی ہیں۔
> مسجدوں سے اللہ اکبر کی اور چاروں طرف سے گولیوں کے چلنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔''(۱۱)

کردار ایرئیل کو وہ سارے بم دھماکے جو وہ اپنے دورِ حکومت میں کرواتا رہا ہے۔ اب یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ سارے بم دھماکے اس کے دماغ میں ہو رہے اور وہ ساری تکلیفیں برداشت کر رہا ہے۔ اس ناول کا نفسیاتی بیانیے تہ داری کی سطح پر بہت زیادہ پیچیدہ اور معنی خیز طنز سے بھرپور ہے۔ دماغ میں آوازوں کی عدالت میں ایرئیل اعتراف کرتا ہے کہ اگر موسیٰ کا یہوداہ (خدا) مجھے مہلت دے اور مجھے اس عذاب سے نجات دے تو میں عربوں کو ان کے کھیت اور گھر واپس لوٹا دوں گا اور یہودیوں کے لیے بننے والی سڑکیں فلسطینی عربوں اور اسرائیل کے یہودیوں دونوں کے لیے ہوں گی۔ اس بیانیے میں مثالی خواب سجانے کی کوشش کی گئی ہے اور تخلیقی سطح پر فلسطینیوں سے ہونے والے ناروا سلوک کی روداد صفحۂ قرطاس پر پیش کی گئی ہے۔ اس ناول کا بیانیہ تہ دار اور مشکل بیانیہ ہے۔ ہر صفحہ پر معنی کے وسیع سمندر اور مفاہیم پوشیدہ ہیں۔ یہ ناول بنی اسرائیل کی تاریخ کا بیانیہ ہے۔

ان ناولوں میں نفسیات کو اجتماعی لاشعور کی بحثوں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ خواب اور خوابیدگی Hallucination مگر سب میں ایک نیا مفہوم سامنے آتا ہے۔ جاگے ہیں خواب میں مابعد الطبیعیاتی عناصر سے بحث کی ہے۔ موت اور زندگی کی کشمکش دکھائی ہے۔ چینی جو میٹھی نہ تھی میں روح کی بیماری کو خوابوں

کے تسلسل سے تائید ملتی ہے اور اس کا علاج روحانیت میں مضمر ہے۔ ہجور آما میں نفسیاتی بیماری کا علاج نفسیاتی حربوں سے کیا گیا ہے۔ ناول نگار نے آدرشی کردار ہجور آما تخلیق کیا گیا۔ تلک الایام میں خواب کے ذریعے مثالی دنیا کا قیام اور آباؤاجداد کا سلسلۂ تصوف کی بازیافت کی ہے۔

جندر اور حَبس اِن دونوں ناولوں میں اجتماعی لاشعور کی ذہنی کشمکش کو عملی سطح پر پیش کیا گیا ہے۔ مگر دونوں میں تکنیک کی ترتیب کا فرق ہے۔ جندر میں ایک فرد موت کی طرف قدم بڑھا رہا ہے اور مرنے کے بعد کیا ہو گا اور موت آنے کے عمل میں کیا تبدیلیاں ہو گی اس کو نفسیاتی کشمکش میں بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ حبس میں ایک شخص ''کوما'' میں ہے وہ تقریباً مردہ حالت میں ہے صرف سانس کے چلنے کی خبر بھی مشین سے پتہ چلتی ہے۔ وہ اجتماعی لاشعور کی ذہنی کشمکش میں ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں یہودیوں نے فلسطین پر قابض ہونے کے لیے کیا کیا حکمت عملیاں اختیار کیں اور کس طرح عربوں کو ان کے گھروں سے ان کو سرزمینوں سے بے دخل کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ خالد محمود سامٹیہ، خواب، اجتماعی لاشعور اور اختر رضا سلیمی، راول پنڈی: رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء، ص ۶۰

۲۔ اختر رضا سلیمی، جاگے ہیں خواب میں، راول پنڈی: رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۲۴۰

۳۔ شبیر احمد، ہجور آما، لکھنؤ: میٹر لنک پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء، ص ۳۶۴

۴۔ صفدر زیدی، چینی جو میٹھی نہ تھی، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۶ء، ص ۱۰۷

۵۔ ایضاً، ص ۱۲۷

۶۔ نور الحسنین، تِلکَ الایّام، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۸ء، ص ۹

۷۔ ایضاً، ص ۵۹

۸۔ حسن منظر، حَبس، کراچی: شہر زاد، ۲۰۱۶ء، ص ۱۸

۹۔ ایضاً، ص ۲۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۹

۱۱۔ حسن منظر، حَبس، کراچی: شہر زاد، ۲۰۱۶ء، ص ۱۸۸

Kitabiyat

1. Ahmad, Shabbir, Hajoor Aama, Lucknow, Meterlink Publication, 2022
2. Noor-ul-Hussnain, Dehli: Educational Publishing House, 2018.
3. Manzir, Hassan, Habss, Karachi: Shahrzad 2016.
4. Saamita, Khalid Mahmood, Khawab ijtamai Laashaour oar Akhtar Raza Saleemi, Rawalpindi: Romail House of Publication, 2020
5. Saleemi, Akhtar Raza, Jaghay hein Khawab Mein, Rawalpindi: Romail House of publication, 2015
6. Zaidi, Safdar, Cheeni jo meethi naa thi, Faisalabad: Misaal pubilshers, 2016